26

# رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بلند مقام

(فرمودہ 19 راگست 1949ء بمقام پارک ہاؤس کوئٹہ)

تشہّد ،تعوّ ذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیت قرآنیہ کی تلاوت کی:

قُلۡ اِنَّ صَلَاتِیۡ وَنُسُکِیۡ وَمَحۡیَایَ وَمَمَاتِیۡ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ 1

اس کے بعد فرمایا:

''تیسری بات اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مَحۡیَایَ بیان فرمائی ہے۔ مَحۡیَا کے ایک معنے تو زندگی کے ہوتے ہیں۔ یعنی جس بات کے لیے لفظ ''حیات'' استعمال ہوتا ہے انہی معنوں میں لفظ مَحۡیَا بھی استعمال ہوتا ہے لیکن مَحۡیَا کے معنے علاوہ زندگی کے مقامِ زندگی کے بھی ہوتے ہیں۔ یعنی جس جگہ کوئی شخص رہتا ہے اور اپنی زندگی بسر کرتا ہے وہ بھی مَحۡیَا کہلاتی ہے۔ اس کے ساتھ بھی لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ کہہ کر یہ قید لگا دی گئی ہے کہ میری ساری زندگی اس خدا کی خاطر ہے جو تمام جہانوں کی ربوبیت کرنے والا ہے۔ خدا تعالیٰ کی خاطر زندگی کئی درجے رکھتی ہے۔ سب سے ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کو اس بات پر آمادہ کرلے کہ اگر خدا تعالیٰ کے لیے اسے دُنیا چھوڑنی پڑی تو وہ چھوڑ دے گا۔ بیشک وہ عملاً دنیا چھوڑ نہیں دیتا لیکن ضرورت پڑنے پر وہ اپنے نفس کو اس بات کے لیے تیار پاتا ہے۔ مگر یہ خدا کے لیے زندگی بسر کرنے کا سب سے ادنیٰ درجہ ہے کامل درجہ نہیں۔ کیونکہ ایک آدمی

وہ ہوتا ہے جو دنیا کو چھوڑ دینے کا ارادہ رکھتا ہے اور ایک آدمی وہ ہوتا ہے جو صرف ارادہ ہی نہیں رکھتا بلکہ عملاً ایسا کر دیتا ہے اور یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ ایثار والی زندگی کا درجہ عام زندگی سے بہر حال بالا ہے۔ خدا تعالیٰ کی خاطر دنیا چھوڑنے والے لوگ صرف یہ نہیں کہتے کہ اگر ضرورت پڑی تو وہ اپنی زندگی خدا تعالیٰ کی خاطر وقف کر دیں گے بلکہ وہ عملی طور پر بھی وقف کر دیتے ہیں اور ان کے تمام کام خدا تعالیٰ کے لیے ہو جاتے ہیں۔ وہ خدا تعالیٰ پر توکّل کر کے اپنی زندگی بسر کرتے ہیں۔ وہ دنیا کی کمائی کے ایسے ذرائع تجویز کرتے ہیں جو اُن کی وقف شدہ زندگی میں رخنہ نہ ڈالیں اور ان کے مذہبی کاموں میں رکاوٹ پیدا نہ کریں۔ مثلاً جب فتح خیبر ہوئی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ زمین اپنے خاندان کے لیے وقف کر دی جس سے ان کے گزارہ کا سامان ہوتا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم زمینوں پر خود کام نہیں کرتے تھے بلکہ جس طرح اِجارہ پر زمین دی جاتی ہے وہ زمین دوسروں کو دے دی گئی تھی اور اس سے جو حصہ آتا تھا وہ آپؐ خاندان میں تقسیم کر دیتے تھے۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگیاں بھی نظر آتی ہیں۔ وہ اپنے اوقات دنیوی کاموں میں استعمال نہیں کرتے تھے۔ گو ضمنی طور پر ایسے کام ہو بھی جاتے تھے جیسے حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے کیا۔ وہ ایسا کام کر لیتے تھے مگر اس طرح نہیں کہ وہ ان کے اصل کام میں روک پیدا کر دیں۔ یہ مقام نہایت اعلیٰ درجہ کا ہوتا ہے۔ قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے کہ میری ساری زندگی خدا تعالیٰ کی خاطر ہے مگر اس سے اوپر ایک اَور مقام بھی ہے۔ یعنی ایک مقام تو یہ ہوتا ہے کہ انسان خدا تعالیٰ کے لیے زندگی بسر کرے مگر یہ مقام ادنیٰ ہوتا ہے کیونکہ اس میں صرف اتنی بات پائی جاتی ہے کہ انسان اپنے ارادے اور نیت سے اس کام میں لگا رہتا ہے لیکن ایک مقام ایسا ہوتا ہے کہ زندگی قربان کرنے والا ایسے مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ اُس کی اس قربانی کو قبول کر لیتا ہے۔ یہ دونوں مقام الگ الگ ہیں۔ جو انسان اپنے ارادے اور نیت سے اپنی زندگی کو خدا تعالیٰ کی خاطر وقف کر دے ضروری نہیں کہ خدا تعالیٰ اسے قبول بھی کر لے۔ ایک شخص اپنے آپ کو خدمت کے لیے آقا کے سامنے پیش کر دیتا ہے لیکن ضروری نہیں کہ آقا اس کی خدمت کو قبول بھی کر لے۔ اس شخص کی زندگی خدا تعالیٰ کی خاطر تو شمار ہو گی لیکن یہ اعلیٰ مقامِ قربانی نہیں۔ ہاں! خدا تعالیٰ اس کی قربانی کو قبول کر لے تو یہ علیحدہ امر ہے۔

مَحْيَایَ میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ میری زندگی اب ایسے مقام پر پہنچ گئی ہے کہ میری زندگی درحقیقت اللہ کی زندگی ہوگئی ہے۔ میں چلتا ہوں تو میں نہیں چلتا خدا تعالیٰ چل رہا ہوتا ہے، مَیں دیکھتا ہوں تو اُس وقت میں نہیں دیکھ رہا ہوتا خدا تعالیٰ دیکھ رہا ہوتا ہے، میں کوئی بات سنتا ہوں تو اُس وقت میں نہیں سن رہا ہوتا خدا تعالیٰ سن رہا ہوتا ہے۔ گویا میری زندگی باختیارِ خود زندگی نہیں بلکہ میری زندگی باختیارِ اللہ ہوگئی ہے۔ میری مرضی خدا تعالیٰ کی مرضی ہوگئی ہے۔ یہی وہ مقام ہے جس کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بندہ خدا تعالیٰ کے قریب ہوتا چلا جاتا ہے اور ہوتے ہوتے وہ ایسے مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ اس کے کان بن جاتا ہے جن سے وہ سنتا ہے، خدا تعالیٰ اُس کی آنکھیں بن جاتا ہے جن سے وہ دیکھتا ہے، خدا تعالیٰ اُس کی زبان بن جاتا ہے جس سے وہ چکھتا ہے، خدا تعالیٰ اُس کے ہاتھ بن جاتا ہے جن سے وہ پکڑتا ہے، خدا تعالیٰ اُس کے پاؤں بن جاتا ہے جن سے وہ چلتا ہے۔[2] گویا وہ صرف اپنی طرف سے ہی کوشش نہیں کرتا بلکہ خدا تعالیٰ بھی اس کی کوششوں کو قبول کر لیتا ہے اور اسے اپنی صفات کے ظہور کا مقام بنا لیتا ہے۔

پھر اس سے اوپر ایک اَور مقام آتا ہے اور وہ مَحْیَا کے دوسرے معنے ہیں اور وہ مقام یہ ہے کہ اُس کا مقامِ زندگی بھی خدا تعالیٰ کے لیے ہو جاتا ہے اور وہ اشاعتِ اسلام اور اعلائے کلمۃ اللہ اور خدا تعالیٰ کی ذات کی طرف توجہ دینے میں اتنا مشغول ہو جاتا ہے کہ جس جگہ بھی وہ جاتا ہے لوگ کھچے ہوئے اُسی کی طرف آ جاتے ہیں۔ یہ مقام انبیاء کو نصیب ہوا ہے مگر جس شان کے ساتھ یہ مقام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملا ہے کسی دوسرے نبی کو نہیں ملا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی یہ مقام نصیب ہوا ہے مگر آپ کی زندگی میں ایسا نہیں ہوا بلکہ وفات کے بعد ہوا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی جس جگہ تھے وہ ماحول پاکیزہ ہو گیا تھا۔ اس جگہ کے رہنے والے قربانی کرنے والے تھے مگر وہ ماحول بھی محدود تھا۔ اگر کوئی ہستی ایسی ہوئی ہے جس نے اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کی خاطر اس کے دین کی خدمت میں اس قدر محو کر دیا ہو کہ تمام ماحول کلّی طور پر خدا تعالیٰ کے لیے ہو گیا ہو تو وہ صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک ہے۔ آپؐ کے شہر اور علاقہ کے جو رہنے والے تھے آپؐ نے ان سب کو اپنی قوتِ قدسیہ کے ساتھ خدا تعالیٰ کے لیے کر دیا۔

پھر رَبُّ الْعَالَمِیْنَ کی شرط تمام معنوں کے ساتھ اپنے اپنے رنگ میں لگتی ہے۔ خصوصاً آخری

معنوں کے ساتھ اس کا خاص تعلق ہے۔آپ نے نہ صرف تبلیغ کی بلکہ آپؐ کے ملنے کی وجہ سے لوگوں میں خدا تعالیٰ کی اتنی محبت پیدا ہوگئی تھی کہ اس کی وجہ سے نہ صرف مدینہ اور اس کے اردگرد کا علاقہ مسلمان ہوگیا بلکہ قریباً سارا عرب مسلمان ہوگیا۔صرف کہیں کہیں عیسائی اور یہودی قبائل رہ گئے تھے۔ اس کے علاوہ آپ کو ایک زائد بات بھی حاصل تھی۔آپ کے شہر اور علاقہ کا مسلمان ہوجانا تو چھوٹی سی بات ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ میری زندگی صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کی ربوبیت کرنے والا ہے۔یعنی میرے تمام کام ایسے ہیں جو صرف میری ذات کے لیے نہیں بلکہ تمام بنی نوع انسان کی بہتری کے لیے ہیں۔ دوسرے انبیاء بھی اس کام میں ایک حد تک آپ کے مشابہہ ہیں۔حضرت موسیٰ کے اتباع میں بھی یہ جذبہ پایا جاتا تھا مگر وہ محدود رنگ رکھتا تھا۔تورات میں یہی حکم آتا ہے کہ تم بنی اسرائیل کے ساتھ یوں سلوک کرو، یوں سلوک کرو۔ساری دنیا سے سلوک کرنے کا اس میں کہیں حکم نہیں دیا گیا۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں ساری دنیا کے لیے ہمدردی پائی جاتی تھی۔اسی لیے آپ کو ساری دنیا کی طرف مبعوث کیا گیا۔مگر اس سے بڑھ کر آپ کو یہ بات حاصل تھی کہ آپ کا مقامِ حیات جو تھا وہ بھی رب العٰلمین کے لیے ہوگیا تھا۔یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی نہیں بلکہ آپ کے ماننے والوں نے بھی بنی نوع انسان کی ہمدردی کے لیے اپنی زندگیاں وقف کردی تھیں۔اس کی موٹی مثال یہ ہے کہ اگر کسی قوم کے اندر دوسروں کے فوائد کو اپنے فوائد پر مقدم رکھنے کا جذبہ پایا جائے تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اس کا مقامِ حیات کس قدر بلند ہوگا۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب شام میں لڑائیاں ہوئیں اور بیت المقدس بھی فتح ہوا تو عیسائیوں نے دوبارہ حملہ کیا اور مسلمانوں کو کچھ وقت کے لیے بیت المقدس چھوڑنا پڑا۔ جب مسلمان پیچھے ہٹے اور انہوں نے فیصلہ کرلیا کہ وہ بیت المقدس کو کچھ وقت کے لیے چھوڑ دیں گے تو انہوں نے شہر کے باشندوں کو بلایا اور آئندہ سال کے لیے جو ٹیکس وصول کیے ہوئے تھے وہ سب واپس کردیئے۔اِس کا اُن پر اتنا اثر ہوا کہ تاریخ میں آتا ہے کہ جب لشکر شہر سے باہر نکل آیا تو عوام الناس تو الگ رہے بڑے بڑے پادری بھی روتے اور دعائیں کرتے تھے کہ اے خدا! ان لوگوں کو جلد واپس لا۔3 اُن کی اپنی قوم ان پر قابض ہورہی تھی۔لیکن وہ غیر قوم کے لیے دعائیں مانگ رہے تھے کہ خدا ان کو جلد واپس لے آئے۔مسلمانوں نے سال بھر

حفاظت کرنے کے بدلہ میں اُن سے ٹیکس وصول کیا تھا لیکن جب دیکھا کہ اب انہیں حفاظت کرنے کا موقع نہیں ملے گا تو سب ٹیکس واپس کر دیئے۔ اتنے تدیّن اور ورع 4 کی مثال اور کہیں نہیں ملتی۔ وہ سمجھتے تھے کہ ہم ان لوگوں کی خدمت کے لیے آئے تھے اگر ہم ان سے کوئی ٹیکس لیتے ہیں تو اُس خدمت کے لیے لیتے ہیں اور اگر ہمیں ان کی خدمت کرنے کا موقع نہیں ملا تو ہمیں کوئی حق حاصل نہیں کہ ان کے ٹیکس اپنے پاس رکھیں۔ یہ رب العلمین والی صفت تھی جو ان میں پائی جاتی تھی کہ وہ ہر نقطہ اور ہر لحاظ سے اپنے آپ کو بنی نوع انسان کا خادم سمجھتے تھے یہ مَحۡیَایَ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ کی ایسی مثال ہے جس کی نظیر ڈھونڈنے سے بھی کہیں اَور نہیں مل سکتی۔ باقی حکومتیں اور ادارے بھی دوسروں کے حقوق کی نگرانی کرتے ہیں اور جہاں جاتے ہیں وہ ایسا کرتے ہیں لیکن یہ اُن کا ایسا کرنا خالص بنی نوع انسان کی ہمدردی کے لیے ہو اور رب العلمین خدا کے لیے ہو اِس کی مثال نہیں مل سکتی۔ یہ کتنا بڑا تغیر ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیدا کیا لیکن اتنا بڑا کام سوائے اسلامی تعلیم کا گہرا مطالعہ کرنے والے اور موت کے لیے ہر وقت تیار رہنے والے کے کوئی دوسرا شخص نہیں کر سکتا۔ چھوٹے چھوٹے کاموں میں لالچ آ جاتی ہے۔ معمولی معمولی باتوں میں انسان کوشش کرتا ہے کہ اس کے آرام کی کوئی صورت نکل آئے مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مَحۡیَایَ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ نہ صرف میں بنی نوع انسان کی ہمدردی کے لیے مقرر کیا گیا ہوں بلکہ دوسرے انبیاء پر مجھے یہ فوقیت حاصل ہے کہ میرے شہر اور علاقہ کے لوگ بھی بنی نوع انسان کی ہمدردی کے لیے آمادہ ہیں اور وہ اپنے فوائد کو بھول کر دوسروں کی ہمدردی میں مشغول رہنے کی خواہش رکھتے ہیں"۔ (الفضل 6 جنوری 1960ء)

1 : الانعام: 163

2 : بخاری کتاب الرقاق باب التواضع

3 : فتوح البلدان بلاذری صفحہ 143، 144۔ مطبوعہ قاہرہ 1319ھ

4 : وَرَع: پرہیزگاری (فیروز اللغات اردو)